© rasailojaraid.com

بلوچستان۔ قبل و بعد از ظہور اسلام

انعام الحق کوثر

مورخین[1] نے بلوچستان کی مختلف توضیحات پیش کی ہیں۔لفظ بلوچستان نادر شاہ افشار کی وضع کردہ یا عطا کردہ اصطلاح ہے۔قدیم دور میں اس کا نہ یہ نام تھا اور نہ اس کی ترکیب موجود تھی۔ اس کے شمال مشرقی حصے پنجاب میں شامل تھے، شمال مغربی حصے صوبہ قندھار میں شامل تھے۔ جنوب مغربی حصہ (جسے اب مکران کہتے ہیں) جیدروشیا یا جیدروشیہ یا گیدرشیہ کہلاتا تھا۔یہ نام سب سے پہلے ہمیں یونانی مؤرخین میں ملتا ہے۔گویا جیدروشیہ موجودہ مکران ہے اور چونکہ یہ صحرائی اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا اس لئے تواریخ قدیم میں اس کا زیادہ ذکر نہیں۔ گو اس میں کہیں کہیں نخلستان تھے۔ بالخصوص کیچ مکران میں اور ساحل کے ساتھ ساتھ ایک بری راستہ بھی گزرتا تھا جو سندھ اور مغربی ایشیا کو ملاتا تھا۔اسی راستے سے سکندر اعظم گزرا اور بعد میں عرب فاتحین بھی آئے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس وقت مکران دو حصوں میں منقسم ہے۔پاکستانی مکران اور ایرانی مکران۔قریباً ساٹھ فیصدی پاکستان میں اور کوئی چالیس فیصدی ایران میں۔اسی لئے بعض اوقات اسے مکرانات کہتے ہیں۔لیکن قدیم دور میں مکران[2] یا جیدروشیہ ایک ہی تھا۔

وجہ تسمیہ غالباً یہ تھی کہ ایک قبیلہ گدریا یا جیدر یا گیدر نامی تھا۔جس کے نام پر اسے یہ نام دیا گیا۔اسکی واحد نشانی اب ایک مقام گدر کی صورت میں باقی ہے اور وہ قبیلہ غالباً بعد میں آنے والے قبائل میں جذب ہو گیا۔سیستان اس کے شمال میں تھا، قدیم دور میں بھی اور اب بھی اور یہ دونوں مختلف جغرافیائی اور سیاسی خطے تھے۔ سیستان ہمارے موجودہ اضلاع چاغی اور خاران کے مغرب میں تھا اور ہے اور اسے یہ نام ساکا قبائل کی وجہ سے ملا۔پہلے ساکستان اور پھر سیستان!

ماقبل تاریخ مکران کی جو چند[3] جھلکیاں ہمیں میسر آئی ہیں۔وہ علم الاثریات کا تحفہ ہیں۔ علم الاثریات کی عمر اور مدت کار ڈیڑھ سو سال سے زیادہ نہیں لیکن اس نے تاریخ کی گرفت نہایت وسیع و عمیق کر دی ہے۔اسکی رسائی ماضی گم گشتہ کے ہزاروں سال تک بڑھادی ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکی گود معلومات کے بیش بہاموتیوں سے بھر دی ہے۔

پاکستان میں حضریات کا جو عمل ۱۸۵۶ء میں جان برنٹن اور ولیم برنٹن کے ہاتھوں بے خیالی میں شروع ہوا وہ جنرل کننگھم، سرجان مارشل[۴] آر۔ ڈی۔ بیزجی[۵]۔ دیارام ساہنی،[۶] ہرگریوز، سرآرل سٹین، این ڈی موجمدار، ارنسٹ میکے، پروفیسر سٹوارٹ پگٹ، پروفیسر آر۔ ای۔ ایم۔ وھیلر وغیرہم کے تحت رنگ لایا۔ سرآرل سٹین جیسے ایشیا نورد کو آثار شناسی کا کچھ ایسا ملکہ اور سلیقہ تھا کہ وہ جس قطعہ زمین پر اپنی تحقیق کا پھالا چلاتا تھا وہ اپنے مدفون خزانے اس کے سامنے ڈھیر کر دیتا تھا۔ شہید پاکستانیات این ڈی موجمدار کیرتھر کے اس طرف کوہ کنی میں مصروف تھا کہ ڈاکوؤں کی نذر ہو گیا۔ اب دریائے بولان پر مہرگڑھ کے علاقے میں فرانسیسی پروفیسر فرنیکوائس جارگ اپنی ٹیم کے ساتھ جدید دور حجری کی تہذیب دریافت کرنے میں مصروف ہیں[۷] جو چھ ہزار سال قبل مسیح کا دور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ماہرین نے بلوچستان میں بہت جان جوکھوں کا کام کیا ہے۔ پروفیسر سٹوارٹ پگٹ کی کتاب "پری ہسٹارک انڈیا" مطبوعہ ۱۹۵۰ء بلوچستان کی قدیم زرعی اور خود کفیل بستیوں اور وادی سندھ کی تہذیب کا آئینہ ہے۔ پروفیسر مارٹیمروھیلر نے اپنی کتاب " فائیو تھاؤ زنڈائیرز آف پاکستان " مطبوعہ ۱۹۵۰ء میں اپنی حضریاتی معلومات اندوزی کا دائرہ مغربی اور مشرقی پاکستان تک بڑھادیا۔ بلوچستان کے ایک مشہور قلمکار ملک محمد سعید دہوار نے بلوچستان کے متعلق جتنا اثریاتی مواد منظر عام پر لایا تھا وہ زیادہ تر اپنی کتاب " بلوچستان ماقبل تاریخ" مطبوعہ بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ ۱۹۷۱ء میں درج کر دیا تاکہ اردودان طبقہ بھی ان انکشافات و اکتشافات سے آگاہ ہوسکے۔

مذکورہ ماہرین اس پر متفق ہیں کہ موجودہ آب وہوا کا چکر جو فقدان بارش، خشکی، غیر یقینی معیشت اور افقی خانہ بدوشی سے عبارت رہا ہے حملہ سکندر کے وقت شروع ہو چکا تھا۔ یہ حملہ ۳۲۷ قبل مسیح میں شروع ہوا اور ۳۲۵ قبل مسیح کے آخر میں مکران کے راستے واپسی پر ختم ہوا۔ اگر اس عرصہ کو ہم آب وہوائی حد فاصل مان لیں تو اس سے پہلے جیسے جیسے ہم پیچھے جاتے ہیں ویسے ہمیں موسم زیادہ مرطوب ملتا ہے۔ بارشیں اور آبی وسائل نسبتاً زیادہ ہیں۔ قدرتی سیرابی کے علاوہ مصنوعی آبپاشی کے بھی امکانات ہیں اور ان امکانات سے بند باندھ کر کماحقہ فائدہ بھی اٹھایا گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان سازگار حالات میں بلوچستان میں جو زرعی اور خود کفیل مقامی معاشرے پیدا ہوئے وہ ماہرین نے ظروف کے رنگوں کی نسبت سے دو حصوں میں تقسیم کر دیئے ہیں ۔ یعنی سرخ برتنوں کے معاشرے جو ژوب اور لورالائی میں ملتے ہیں اور زرد برتنوں کے معاشرے جو کوئٹہ، نال اور کلی کے علاقوں میں پائے گئے ہیں ۔

ان میں سے کلی کا معاشرہ مکران کے خطہ کو لواہ کا معاشرہ ہے ۔ لہٰذا مکرانی زندگی کی اولین جھلکیاں ہمیں اسی معاشرے میں ملتی ہیں ۔ دریافت ہونے والی بستیوں میں کلی کے علاوہ ٹوچی، مافیتا دمب، سیاہ دمب، میہی، شاہی تمپ اور آدستہ جمب وغیرہ شامل ہیں اور ان میں سے ہر بستی دو ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی ہے ۔ تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ کلی یا مکرانی کلچر میں مویشیوں اور مستوارت کی بہت سی خاکی مورتیاں ملی ہیں اور یہ کہ یہ کلچر شمال مشرق میں وادی سندھ کی تہذیب اور جنوب مغرب میں عیلام اور میسوپوٹیمیا کی تہذیب سے مربوط ہے کیونکہ اس کے آثار ان دونوں تہذیبوں اور ان دونوں کے آثار اس میں پائے گئے ہیں ۔ تعلقات کی نوعیت تجارتی بھی ہے اور معاشرتی بھی ۔ ایسا لگتا ہے کہ کلی ایک ایسا تہذیبی سنگھم تھا جو ان سے اثر پذیر بھی ہوتا تھا اور ان پر اثر انداز بھی!

ان تینوں تہذیبوں کی تباہی بھی ۲ ہزار قبل مسیح کے بعد پندرہ سو قبل مسیح کے لگ بھگ قریباً ایک ہی وقت ہوئی اور غالباً ایک ہی حملہ آور قوم آریہ کے ہاتھوں!

اس کے بعد ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک ہمیں مکران کا کچھ پتہ نہیں چلتا حتیٰ کہ چوتھی صدی قبل مسیح کے ربع آخر میں سکندر اعظم کی مکران کے راستے واپسی کے حالات ہمیں یونانی مورخین کے ہاں ملتے ہیں ۔ سکندر نے مئی ۳۲۷ قبل مسیح میں کوہ ہندوکش عبور کیا تھا ۔ قریباً سوا دو سال اسے پٹالہ تک لگے ۔ پٹالہ سے جنوبی بلوچستان میں اس کا سفر قریباً تین ماہ پر محیط تھا[9] ۔ مہم کے پہلے حصے میں بھی اسے پہاڑ، دریا اور ناسازگار آب و ہوا کا سامنا کرنا پڑا ۔ لیکن یہاں اس کے ان قوائے فطرت سے کئی گنا زیادہ قد آور اور مہیب مد مقابل انسان تھے ۔ سکندر کو جس مزاحمت سے یہاں سابقہ پڑا وہ اس کے لئے ناقابل فراموش اور تلخ ترین تجربہ تھا ۔ سکندر کا فتح عالم کا خواب اصل میں یہیں چکنا چور ہوا ۔ اس کی فوج نہ ختم ہونے والی مدافعت سے اتنی عاجز آ گئی کہ اس کی بلند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بانگ تقریروں کے باوجود بیاس کے کنارے سے واپس ہو گئی۔ دو تین مواقع تو ایسے بھی آئے کہ سکندر مرتے مرتے بچا اور انسان خواہ کتنا بھی شہ زور اور مصمم ہو لیکن شکست نما فتح اور شکست کا خوف اس کے اندر کی مضبوط سے مضبوط چٹانوں کو بھی توڑ پھوڑ دیتے ہیں۔ تیس اکتیس ماہ جو اس نے پاکستان میں لڑتے ہوئے گزارے ان میں اس کی اوسط یومیہ رفتار اڑھائی میل سے زیادہ نہ بڑھ سکی اور ہندوکش سے پٹالہ تک تو یہ رفتار اس سے بھی کم تھی۔ حالانکہ ایران وغیرہ میں یہ رفتار تین میل سے کم نہ تھی۔

پٹالہ کے بعد حد مکران تک اسے دو بدو جنگ کا موقعہ تو کم ملا لیکن جنگ چپاول سے بچ نہ سکا۔ یہاں اس کے سخت ترین مدمقابل قوائے فطرت تھے۔ اشیائے خوردنی کی قلت، دھنساتے ہوئے صحرا، یکایک پہاڑی بارشوں سے ندیوں کے اچھلتے ہوئے اور ہڑپ کرتے ہوئے پاٹ، اپنی بحری فوج سے رابطہ قائم رکھنے اور اسے رسد پہنچانے کی عملی مشکلات، لمبی لمبی نامعلوم مسافتیں اور منزلیں، کبھی راتوں کے اندھیروں اور کبھی جاں سوز حدت میں سفر، بیماریاں، وبائیں اور سب سے بڑھ کر پانی کی کمیابی! انہی مصائب و آلام کے باعث ایرئین نے لکھا:

> اکثر سکندری مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تمام مشکلات جو اسکی فوج کو ایشیا میں برداشت کرنا پڑیں۔ ان مصائب کے مقابلے میں ہیچ ہیں جن سے وہ یہاں (یعنی جیدروشیا یا مکران) دو چار ہوئی۔

کرمانیہ پہنچ کر سکندر کی دیوتاؤں کے لئے قربانیاں اور اپنے اور فوج کے طویل جشن ہائے عیش و عشرت اصل میں اسی قیامت صغریٰ کا اعتراف تھے۔ جس سے وہ اپنے بے پناہ ساز و سامان اور حیوانی و انسانی قربانی کے بعد ہی بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ یہ محفل رنگ و طرب اسی کے لگائے ہوئے زخموں کے اندمال کی ایک کوشش تھی۔

سکندر کے حملے کے بعد یہاں کی تاریخ پھر اندھیروں میں لپٹی ہوئی ہے اور قریباً ایک ہزار سال کے وقفے کے بعد مسلمان وقائع نگار اور تاریخ نویس اسے ایک دفعہ پھر روشنی میں لاتے ہیں۔

جنگ نہاوند ۲۱ھ بمطابق ۶۴۲ء میں ہوئی اور گو عرب جرنیل نعمان بن مقرن شہید ہو گئے تاہم عربوں کو ایسی زبردست فتح نصیب ہوئی کہ اسے "فتح الفتوح" موسوم کیا گیا۔ ساسانی شہنشاہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یزدجرد مشرق کی طرف بھاگا۔ فاتحین نے اس کا پیچھا کیا اور نتیجتاً کرمان اور سیستان بھی فتح کر لئے گئے تھوڑے ہی عرصہ بعد ربیع بن زیاد نے ۲۳ھ میں مکران فتح کیا۔ اس کے بعد بھی ان علاقوں پر فوج کشی ہوتی رہی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ پرانے مقتدر طبقے کبھی آسانی سے حکومت کی تبدیلی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ جغرافیائی لحاظ سے بھی یہ علاقہ اتنا وسیع تھا اور اس کی نوعیت ایسی تھی کہ اسے یکبارگی زیر کرنا ممکن نہ تھا۔ بالخصوص جبکہ خلافت راشدہ اگر فتوحات کے خلاف نہ تھی تو انہیں محدود ضرور رکھنا چاہتی تھی لیکن سرحدات کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتی تھی۔

عام طور پر جو علاقے ایک دفعہ نظام اسلام سے منسلک ہو جاتے تھے وہ دائمی طور پر اسی کے ہو رہتے تھے۔ ربیع بن زیاد کے بعد عبداللہ بن عامر بن ربیع کی کامیاب مہم ہوئی اور اس کے بعد حکم بن عمرو التغلبی فاتح کرمان و سیستان اپنی مہم لائے اور حاکم مکران راسل کو بہت بری طرح شکست دی۔ محمد بن قاسم کی آمد سے پہلے مکران اچھا خاصا اسلامی علاقہ بن چکا تھا۔ اس میں جہاں کم و بیش بارہ مہمات کا اثر تھا۔ وہاں سنان بن مہیق الہذیلی (جو ۴۶ھ میں والئ مکران بنائے گئے) کے سنہری دور نے اسلام اور حکومت اسلامیہ کو راسخ کر دیا۔ خود محمد بن قاسم کی آمد پر والئ مکران محمد بن ہارون بن زرع النمری اتنے ہر دل عزیز تھے کہ وہ مکرانی کہلاتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں خلافت اسلامیہ کے ۲۴ صوبوں میں سے جو ایک صوبہ کرمان و سیستان و مکران تھا وہ صرف ایرانی مکران تھا۔ پاکستانی مکران کی حد بندی تو چچ نے کچھ عرصہ پہلے نخل ہائے خرما گاڑ کر کر دی تھی"۔ ساسانی سلطنت قیاصرہ روم کے ساتھ طویل زور آزمائی سے تھک بھی چکی تھی اور اندرونی طور پر بھی ٹوٹ پھوٹ چکی تھی اور عربوں کی نوزائیدہ قوت سے اتنی خوفزدہ تھی کہ اس نے نہ صرف راجہ چچ کے اس یک طرفہ خط سرحدی کو تسلیم کر لیا بلکہ وہ آئندہ جنگوں میں اسکی موعودہ مدد کی بھی امیدوار تھی اور یہ کہ عربوں نے جو مزید حملے بلوچستان پر کئے وہ سیستان کی طرف سے ہوئے اور ان کا ہدف مکران کی بجائے نال، خضدار، قلات، گنداوا وغیرہ تھے

پاکستان کے ممتاز تاریخ دان اور محقق پروفیسر انور رومان نے اپنے مقالے " مکران ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان کے سیاق و سباق میں "لکھا ہے"[۲] کہ یہ منطق ناقابل فہم ہے اس لئے کہ

۱۔ مکران صدیوں سے ایک جغرافیائی اور قدرتی اکائی کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا اور اس میں کسی نہر یا دریا پر چند درخت لگا کر اسے دو لخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لوگوں کی بود و باش، ثقافت اور رشتے ناطے اتنے باہم مربوط تھے کہ چند درخت انہیں جدا نہ کر سکتے تھے اور مکران صدیوں سے ایران سے منسلک تھا۔ خواہ رسمی طور پر ہی سہی۔ اگر بفرض محال صرف ایرانی مکران ہی اسلام سے متعارف ہوا تھا تو بھی پاکستانی مکران کا اس کی کرنوں سے منور ہونا عین قرین قیاس ہے!

۲۔ ایرانی مکران پر قبضہ کر لینا اور نام نہاد پاکستانی مکران (جو کل مکران کا کم از کم ۶۰ فیصدی تھا) کو آزاد چھوڑ دینا اور اس سے آگے نال، خضدار وغیرہ کی طرف بڑھ جانا نہ سیاسی طور پر قرین قیاس ہے اور نہ ہی حربیات کی کسی شق کے مطابق۔

۳۔ یہاں بار بار عرب فوج کشی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مکران فتح نہ ہوا تھا بلکہ یہ ہے کہ سابقہ مقتدر طبقے تجدید اقتدار کے لئے سر اٹھاتے تھے لیکن کچل دیئے جاتے تھے۔

۴۔ اگر محمد بن قاسم نے پہلی دفعہ پاکستانی مکران کو فتح کیا ہوتا تو یہ علاقہ فوراً عرب فاتحین سے مانوس نہ ہو سکتا تھا۔ یہاں بغاوتیں سر اٹھاتیں اور اس کے بری و بحری سلسلہ رسل و رسائل کو منقطع کر دیتیں!

۵۔ تسخیر مکران کے چار منصوبوں کا ذکر ہمیں نیم تاریخی و تاریخی روایات میں ملتا ہے۔ پہلا ملکہ سیمی رامس کا جو بمشکل یہاں سے اپنے ۲۰ آدمیوں کے ہمراہ بچ سکی۔ دوسرا کوروش اعظم کا جو اپنے صرف ۷ آدمی بچا سکا۔ تیسرا سکندر اعظم کا جو مسلسل موت کو نذرانے دیتے ہوئے یہاں سے بچ کر نکلا اور چوتھا محمد بن قاسم کا جس کو یہاں ان سب سے کم تکالیف کا سامنا ہوا۔ حالانکہ قوائے فطرت اتنے ہی غضبناک اور جان لیوا تھے جتنے اس کے پیشروؤں کے وقت! اسکی فاتحانہ رفتار کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ مکران مسلمان فاتحین سے آشنا تھا بلکہ مکرانی من حیث المکرانی عرب فاتحین کو اپنا ہی سمجھتے تھے اور مزاحم ہونے کی بجائے اس کے دست بازو بننا زیادہ پسند کرتے تھے۔

۶۔ ایک اور اندرونی شہادت یہ ہے کہ پاکستانی مکران نہ صرف بلوچستان نہ صرف پاکستان بلکہ پورے جنوبی ایشیا کا شاید واحد خطہ ہے جہاں عورت کو مرد کے مساوی درجہ حاصل ہے بلکہ گرد و پیش کے مرد زدہ معاشرے کے رد عمل کے طور پر مرد معاشرے میں درجہ دوئم کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکن ہے ۔ قبائلی اور نام نہاد ترقی یافتہ علاقوں میں جس طرح عورت کا استحصال کیا جاتا ہے اس کا مکران میں تصور بھی نہیں اور یہ سب اسلام کا فیض ہے اس اسلام کا جو حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے براہ راست یا ان کے صحابہ کرامؓ سے تربیت یافتہ اور قرآن شناس عرب لائے تھے ۔

ان دلائل و شواہد کی بنا پر یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ باب الاسلام ہونے کا شرف سندھ کو نہیں بلکہ مکران کو حاصل ہے ۔ رائج الوقت نظریات کچھ بھی ہوں تاریخ کا یہ فرض ہے وہ تقدم و تاخر اور اصل و فرع کا تناظر وقت میں صحیح تعین کر دے تا کہ حق بہ حقدار رسد!

سندھ کی عظمت اس میں ہے کہ وہ ایک زرخیز، میدانی اور گنجان آباد علاقہ تھا ۔ جس کے خارجی دنیا کے ساتھ بھی روابط تھے اور شمال میں پنجاب سے بھی ۔ لہذا اسلام کو پھلنے پھولنے کے جو مواقع یہاں نصیب ہو سکتے تھے وہ کوہ بستہ اور ریگ زدہ بلوچستان میں ممکن نہ تھے ۔

یہ بات بھی تھی کہ محمد بن قاسم کی فوج کشی فتح ایران کے بعد قریباً ۷۰ سال تک مشرقی ایران اور مغربی بلوچستان میں ہونے والی کم و بیش بیس بائیس مہمات کی نسبت اور بالخصوص سندھ میں کم و بیش دو ناکام مہمات کے بعد وسیع تر پیمانے پر اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسوقت ہوئی جب اسلامیان عالم کا عمل فتوحات چار دانگ عالم میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچ رہا تھا ۔ مسلمان شمالی افریقہ کو مغلوب کر کے جنوب مغربی یورپ کو طارق بن زیاد، ایشیائے کوچک کو مسلمہ بن عبدالملک اور خراسان و وسط ایشیا کو قتیبہ بن مسلم باہلی کی قیادت میں زیر نگین کر رہے تھے ۔ یہ ایک پر بہار اور پر شکوہ دوّر تھا جب ولید (۷۰۵ ۔ ۷۱۵ء) خلافت اموی کی باگ ڈور تھامے ہوئے تھا اور مغرب میں موسیٰ بن نصیر جیسا جہانگیر و جہاندار اور مشرق میں حجاج بن یوسف جیسا مصمم مدبر اس کا بایاں اور دایاں بازو تھے ۔

حجاج ایک عجیب مجموعہ اضداد تھا ۔ جزئیات، منصوبہ بندی، انتظامات اور عسکریات کا ماہر تھا ۔ جزئیات کا پیشگی بندوبست، کوفہ میں بیٹھ کر فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی، اسکی جنگی فراست اور انتظامی بصیرت کا ثبوت ہیں ۔ وہ اسلامی سلطنت کے اندر فتنہ پرور مسلمانوں پر جتنا سخت تھا، حدود سلطنت کے باہر نو مفتوحہ لوگوں پر اتنا ہی نرم تھا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کون نہیں جانتا کہ ماقبل اسلام کے ہندو خواہ وہ پاکستان کے تھے یا بھارت کے، دیرینہ بت گر و بت پرست اور کافر تھے۔ اور اسلام کے تحت ان کے خلاف جہاد مسلسل عین صواب تھا۔ اگر یہ تقاضا پورا ہوتا تو ہندوستان قدیم صدیوں پہلے پاکستان بن چکا ہوتا! اور یہ حجاج کی سخت گیر فطرت اور پالیسی کے عین مطابق ہوتا! مگر یہ حجاج ہی تھا جس نے کفار ہند کو اہل کتاب کا درجہ دے کر اہل الذمہ قرار دیا اور یوں ان کی عزت و آبرو، جان و مال اور ضمیر و ثقافت کی حفاظت کی ذمہ داری ہمیشہ کے لئے مسلمان حکومتوں پر ڈال دی۔

اس جملہ معترضہ کے حوالے سے یہ کہنا مقصود ہے کہ محمد بن قاسم کی فوج کشی کو مرکز خلافت سے جو پشت پناہی ملی۔ انفرادی اسلام افروزی اور ایمان افزائی (جس کے مکران میں سنان ابن سلمہ اور محمد ابن ہارون بہترین نمونے تھے) کی بجائے نظام اسلام قائم کرنے کی جو شعوری کوشش یہاں کی گئی اور حسن انتظام کے جو دور رس اقدامات یہاں کئے گئے وہ اس سے پہلے خال خال اور فرداً فرداً ہی نظر آتے ہیں۔

اسلام کا باب داخلہ مکران ہی تھا لیکن اسلام کیا تھا؟ اس کا آئندہ رویہ اور لائحہ عمل کیا تھا؟ ان جیسے سوالوں کے جواب سے اس وقت کے چھ سات کروڑ ہندوؤں اور بدھوں کی تقدیر وابستہ تھی اور ان سوالوں کا جواب سندھ میں ہی دیا گیا جہاں اسلام کی بین الاقوامی حکمت عملی میں ایک بنیادی تبدیلی رونما ہوئی کہ غیر اہل کتاب کو اہل کتاب کا درجہ دیا گیا۔ تعصب زدہ اور بغض للہی رکھنے والے مؤرخین اسے تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ لاابالی سے لاابالی حکمران بھی مسلم دور اقتدار کی انتہا تک اس وقت گیر فیصلے سے سرتابی کی جرات نہ کرسکا۔

تاریخ اسلام[13] اور تاریخ جنوبی ایشیا میں سندھ کا تاریخی مقام باب الاسلام ہونے کی بجائے اسی فکری و عملی تغیر سے معین ہوتا ہے۔ سندھ اصل میں ہند کا تقدیر گر تھا۔ ایک ہندو مؤرخ پروفیسر ایس۔ آر۔ شرما نے اپنی کتاب "دی کریسنٹ ان انڈیا" میں لکھا تھا۔
" Sind was Hind in miniature." یعنی سندھ اجمالاً ہند تھا۔ یہاں تک وہ بالکل صحیح تھا لیکن اس کے تشریحی فقرے نے ظاہر کر دیا کہ وہ تاریخی شعور و بصیرت سے محروم تھا اور اسلام کو صرف اس کی فوری فتوحات سے ناپ رہا تھا۔ وہ فقرہ کچھ یوں تھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"The crescent in India was destined only to remain a crescent and never to rise to full moon" یعنی "ہلال کا ہندوستان میں یہی مقدر تھا کہ وہ ہلال ہی رہے اور کبھی بدر نہ بن سکے"۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پاکستان و بھارت میں اسلام کا دروازہ بننے کا شرف مکران ہی کو حاصل ہے اور اسی کو حاصل رہے گا۔ مزید دو شہادتیں ملاحظہ فرمائیے۔ محمد سردار خان بلوچ اپنی کتاب [۴] میں رقم طراز ہیں:

آج کل کوئی پاکستانی یا بھارتی علاقہ رسم و رواج میں اتنا مماثل و مشابہ نہیں جتنا کہ مکران۔ عرب حکومت نے علاقے کی نسلی تشکیل پر اپنا دائمی نقش چھوڑا ہے اور اس میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں کہ اہل مکران کی رگوں میں اب بھی توانا عرب خون دوڑ رہا ہے۔

"بلوچستان تھرو دی ایجز" میں مندرج ہے [۵] مکرانی عورت بلوچستان کے دیگر حصوں میں اپنی بہنوں کی نسبت کہیں زیادہ مضبوط حیثیت کی مالک ہے اور اس کا درجہ بمقابل دیگر ہندوستانی اقوام بہتر و برتر ہے۔ یہ سمجھنا عین قرین قیاس ہے کہ مکران میں عورت کا یہ بلند مقام عرب فتح اور ساتویں صدی سے دسویں صدی تک یہاں عرب حکومت سے برآمد ہوا۔

ہمارا وطن عزیز پاکستان [۶] ایک زرخیز، سرسبز اور بہت سی خوبیاں رکھنے والا خطہ ہے۔ اس میں رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ مگر اس رنگارنگی کے باوصف اس میں ایک بنیادی وحدت اور یگانگت کا دور دورہ ہے۔ اس بنیاد کو فراہم کرنے میں بلوچستان کو اولیت کا شرف ہے۔

تاریخ دانوں کے بقول انسانی تہذیب تین آبی ادوار سے گزری ہے پہلا دریائی دور دوسرا بحیرائی اور تیسرا ابحری دور۔

تہذیب کی ابتداء دریائی دور سے ہوئی ہے۔ اور اس میں چھوٹے چھوٹے دریا یا نالے اولین تہذیب کے مراکز بنے۔ چنانچہ پاکستان کے جس حصہ میں سب سے پہلے تہذیب ابھری وہ وادی ژوب، وادی شال، وادی نال اور کولواہ کے علاقے تھے۔ یہیں سب سے پہلے دہقانی لوک معاشروں نے جنم لیا۔ بلوچستان کے انہی چھوٹے دریاؤں سے تہذیب نے اگلا قدم اٹھایا۔ تو وہ وادی سندھ کی تہذیب کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

اس کے علاوہ پاکستانی آبادی کے اہم عناصر بھی کم و بیش بلوچستان سے ہی سندھ، پنجاب اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرحد میں پھیلے ۔ یہ اہم عناصر بلوچ، پشتون اور جاٹ [۱۷] وغیرہ ہیں جو اس وقت پاکستانی آبادی کے ہیں ۔

لیکن وحدت کا سب سے اہم رشتہ جو بلوچستان نے پاکستان کو مہیا کیا وہ اسلام ہے ۔ ہماری تاریخ سندھ کو باب الاسلام کے نام سے پکارتی ہے ۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اسلامی سیاست و ثقافت پہلی بار وسیع اور ہمہ گیر انداز میں سندھ میں ہی جلوہ افروز ہوئی ۔ مگر تاریخی حقائق پر پردے نہیں ڈالے جاسکتے ۔ باب الاسلام ہونے کا شرف حقیقت میں بلوچستان کو ہی حاصل ہوا ۔ تاریخ کے اوراق اس امر کی نقاب کشائی کرتے ہیں کہ ۲۳ھ بمطابق ۶۴۳ء میں مکران ربیع بن زیاد کے ہاتھوں فتح ہوا ۔ اور یہیں سے آگے بڑھ کر مسلمان ۴۴ھ بمطابق ۶۶۴ء میں خضدار پر قابض ہوئے اور اسے دارالحکومت بنایا ۔ خضدار [۱۸] (قزدار، قصدار) میں اسلامی حکومت کا قیام ایک نعمت سے کم نہ تھا ۔ مسلمانوں نے یہاں کے مکینوں کی ثقافت اور معاشرے میں کسی قسم کا دخل دیئے بغیر اپنے اعلیٰ اخلاق کی بدولت انہیں اتنا قریب کر لیا کہ من و تو کا امتیاز مٹ گیا ۔

سمعانی [۱۹] کی "کتاب الانساب" میں درج ہے کہ اصطخری کے زمانے میں قصدار میں مغیرہ بن احمد نامی ایک شخص حاکم تھا جو عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا ۔ علمائے قصدار میں محمد جعفر بن الخطاب القصداری بڑے اونچے پایہ کے عالم تھے ۔ وہ نامور محدث اور فقیہہ مانے جاتے تھے ۔ اور اپنے ہم عصروں میں زہد و تقویٰ کے اعتبار سے مثالی حیثیت کے مالک تھے ۔ انہوں نے حدیث کا علم ابوالفضل عبدالصمد بن محمد بن نصیر العاصمیؒ سے حاصل کیا اور ان کے تلامذہ میں سے ابوالفتوح عبدالغافر بن الحسین بن علی الکاشغری نے بہت زیادہ شہرت پائی ۔

ابو داؤد سیبویہ بن اسمعیلؒ پانچویں صدی کے نصف اول کے مشاہیر محدثین میں سے ہیں ۔ آپ قصدار سے نقل مکانی کر کے مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے ۔ جہاں آپ حدیث کا درس دینے میں مصروف رہے ۔ ان کے اساتذہ کرام میں ابوالقاسم علی بن محمد بن عبداللہ بن یحیٰ طاہر حسینی، ابوالفتح رجاء بن عبدالواحد اصبہانی اور حافظ ابوالحسین یحیٰ بن ابی الحسن رواسی جیسے فضلا شامل ہیں ۔ ابو داؤد نے ۴۶۰ھ بمطابق ۱۰۶۷ء کے قریب وفات پائی ۔ چوتھی صدی ہجری میں جب رودکی ایران میں مصروف تخلیق ہوا تو قصدار میں اسکی ہمعصر شاعرہ رابعہ بنت کعب القزداری نے فارسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر و ادب کے موتی بکھیرے ۔ اس لحاظ سے موجودہ فارسی شاعری کو آگے بڑھانے میں قصدار نے بھی اپنا حق ادا کیا ۔ مولانا جامی نے رابعہ کا ذکر ان مستورات میں کیا ہے جو معرفت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں[۲۰] ۔

پانچویں صدی ہجری[۲۱] بمطابق گیارھویں صدی عیسوی میں مشائخ ہنکار کیچ مکران میں تشریف آوری ہوئی ۔ شیخ موسیٰ قریشی الہاشمی کے لخت جگر سلطان ابو علی نے خلق خدا کی بہبودی کی خاطر ان کی حکمرانی قبول کی ۔ ان کے بعد ان کے فرزند سلطان رشید الدین اور پھر ان کے بیٹے سلطان قطب الدین تخت نشین ہوئے اور سلطان ابو البقا تک تک یہ خاندان عالی مقام برسر اقتدار رہا ۔ سید السادات سید احمد توختہؒ (وصال ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵ء مدفن لاہور) کیچ مکران (بلوچستان) تشریف لائے اور کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے ۔ اپنے قیام کے دوران اپنی بیٹی بی بی حاج (مدفن لاہور) کا نکاح ہنکار خاندان کے شہزادہ بہاؤ الدین سے کر دیا ۔ شہزادہ بہاؤ الدین کے بعد اسکا بڑا لڑکا سلطان حمید الدین تخت نشین ہوا ۔ مگر اس نے تخت چھوڑ کر درویشی اختیار کی اور تلاش حق میں لاہور کا رخ کیا اور سلطان التارکین کا لقب پایا ۔ سید احمد توختہ جتنی مدت کیچ مکران میں رہے لوگوں کو روحانیت سے فیض یاب کرتے رہے ۔

مشائخ ہنکار نے ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی ۔ انہوں نے شریعت محمدیؐ کو عملی صورت میں پیش کرتے ہوئے عدل و انصاف اور جود و سخاوت میں نام پیدا کیا ۔ شرع انور کے مطابق مستورات کو وراثت میں ان کے شرعی حقوق دیئے گئے ۔ مشائخ ہنکار نے جہاں اپنی اپنی پاکدامنی اور نیک سیرت کے آثار مکران میں چھوڑے وہاں عربوں کی اس میراث کو انہوں نے مکرانیوں کے قلوب و صدور میں راسخ کر دیا ۔ گزٹیئر کے مطابق مکران میں عرب حکومتوں کا ایک دیرپا اثر یہ ہوا کہ اہل مکران نے اپنے معاشرے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خواتین کو ان کے حقوق دیئے ۔

سابق ریاست قلات میں میر احمد خان اول کے زمانے (۱۰۷۶ھ ۔ ۱۱۰۷ھ مطابق ۱۶۶۵ء ۔ ۱۶۹۵ء) سے ریاست قلات کے دائرے میں اسلامی و شرعی قوانین اور اصولوں کا نظام کسی نہ کسی صورت میں جاری و ساری رہا ۔ میر احمد خان دوم نے اپنے دور اقتدار (۱۱۲۷ھ ۔ ۱۱۲۹ھ بمطابق ۱۷۱۴ء ۔ ۱۷۱۶ء) میں ایک دیوانی کونسل کی تشکیل کے پہلو بہ پہلو محکمہ قضا قائم کیا جو ہماری اب تک کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحقیق کے بمطابق پاکستان کے تاریخی پس منظر میں پہلی مثال ہے۔

میر نصیر خان نوری [۲۲] کے عہد حکومت (۱۱۶۴ھ۔ ۱۲۰۹ھ / ۱۷۵۰ء۔ ۱۷۹۴ء) میں اسلام کے احکام سرکاری طور پر نافذ کئے گئے۔ انکی اپنی زندگی شریعت محمدیؐ کے مطابق تھی اور انکے یہاں بے پناہ مذہبی امنگ پائی جاتی تھی۔ انکی والدہ محترمہ بی بی مریم بھی اسلام کی روح کی علمبردار تھیں۔ میر نصیر خان اعظم نے بذات خود تبلیغ حق کے لئے بہت تگ و دو کی۔ جھالاوان میں ہر طرف توہمات کا چرچا تھا۔ شریعت محمدیؐ پر عمل نہ کیا جاتا تھا۔ اور ہندویت غالب تھی۔ چنانچہ اس نے ایک خاص وفد وہاں بھیجا جس نے میر موصوف کے فرمودہ مندرجہ ذیل احکامات نافذ کئے۔

۱۔ شریعت کے اوامر و نواہی پر سختی سے عمل کیا جائے۔

۲۔ شادی، ختنہ اور دیگر تقریبات پر سرود، تمبور، نے، چنگ، دف وغیرہ مطلقاً استعمال نہ کئے جائیں۔

۳۔ شادیوں اور دیگر طربیہ مواقع پر مرد اور عورتیں اکٹھے چاپ (رقص) میں ہرگز حصہ نہ لیں

۴۔ بھنگ، چرس اور شراب ممنوع ہیں اور کوئی عورت بے پردہ بازار نہ جائے۔

۵۔ غلاموں کی تجارت ممنوع ہے۔

۶۔ اموات پر مرد اور عورتیں زیادہ ماتم نہ کریں یعنی سر ننگے نہ کریں، بال نہ بکھیریں، چہرے مسخ نہ کریں اور اپنے آپ کو زخمی نہ کریں۔

۷۔ مسلمان فقیروں کے پاس ارادت مندی سے نہ بیٹھیں اور وہ لمبے بال نہ رکھیں۔

۸۔ قصبات میں جمعہ کی نماز لازمی قرار دی گئی اور محلے کے لوگ محلے کی مسجد کے امام کی ضروریات کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے۔

۹۔ سیاہ کاری کے غلط الزام پر بہتان تراش کو ۸۰ درے کی سزا ملے گی اور بعد میں وہ ساقط الاعتبار سمجھا جائے گا۔ بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ بلاجرم سختی اور بد سلوکی بھی ممنوع قرار دی گئی۔

۱۰۔ ہندو اپنے مندروں میں مسلمان نوکر نہ رکھیں۔ مسلمان ان کی پوجا میں شریک نہ ہوں۔ ہندوؤں کے مکان مسلمان باشندوں کے مکانوں سے اونچے نہ ہوں اور وہ شناخت کے لئے ماتھوں پر تلک یا ٹیکہ لگائیں۔ مندروں میں عبادات پر موسیقی ممنوع قرار دی گئی اور ماتموں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بھی ۔ سیر و تفریح میں ہندو مسلمانوں سے آگے نہ نکلیں اور ایسے ہی بازار گلی وغیرہ میں بھی ہندو زین والے گھوڑے پر نہ بیٹھیں ۔

۱۱ ۔ مزاروں کے آس پاس بھیڑیں قربان نہ کی جائیں اور ان کا خون بیٹوں، دلہنوں، دولہوں یا گھوڑوں کو نہ لگایا جائے ۔ لمبے لمبے بال رکھنے والے شیخوں کے بال کاٹ دیئے جائیں اور انہیں مریضوں کے پاس نہ آنے دیا جائے ۔ اور ان پر مطلق اعتبار نہ کیا جائے ۔ شادی بیاہ کے مواقع پر گھوڑوں وغیرہ کے ذبیحہ پر پابندی لگادی گئی کیونکہ ان کا گوشت شرعاً حرام ہے ۔

۱۲ ۔ زکوۃ اور عشر واجب کئے گئے ۔

۱۳ ۔ سود ممنوع کر دیا گیا ۔

۱۴ ۔ ملاؤں کے معاملات اور طرز عمل پر کڑی نگاہ رکھنے کی ہدایت جاری کر کے انہیں باجماعت نماز پڑھانے کی تاکید کی گئی ۔

میر نصیر خان نوری نے اپنے مذکورہ بیان کے آخر میں یہ قطعی حکم دیا کہ کسی بھی مرد کو شریعت کے دائرے سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہ دی جائے ۔ اور ان احکامات پر عمل درآمد کرنے میں کسی قسم کا انحراف اور تکلف نہ برتا جائے ۔

میر نصیر خان اعظم کا شرح انور کی روشنی میں اصلاحات کا یہ نفاذ ایک ایسا کارنامہ ہے جو سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے اور جسکی مثال ہم عصر تاریخ میں مفقود ہے ۔ ان کی مہر پر یہ آیت کندہ تھی "حسبی اللہ و نعم الوکیل و نعم المولیٰ و نعم النصیر"

میر موصوف نے اپنے لشکر کے ہمراہ جو پشتون، بلوچ اور براہوئی سپاہیوں پر مشتمل تھا، احمد شاہ ابدالی کے ساتھ مل کر جہاد میں بھرپور حصہ لیا ۔ میر نصیر خان نوری علم و ادب کا مربی بھی تھا ۔ قاضی نور محمد گنج آبوی میر موصوف کی خدمت میں موجود رہتا اور جہاد میں شرکت کرتا تھا اس نے جہاد کے چشم دید واقعات کو اپنے جنگ نامہ "تحفتہ النصیر بلوچ" میں قلمبند کیا ۔

میر نصیر خان نوری کے بعد ان کے جانشینوں نے ان کے احکامات کا باقاعدہ تتبع کیا اور ان پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی ۔ یہ احکامات انگریزوں کی آمد تک کسی نہ کسی صورت میں نافذ رہے حتیٰ کہ محمود خان جیسے کمزور خان کے دور حکومت میں بھی دیوانی معاملات شرعی رائے کے لئے قاضیوں کے سپرد کئے جاتے تھے اور اس کے بعد ہی ممبران جرگہ اپنی رائے دیتے تھے ۔ انگریزوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مداخلت اور گرفت بھی میر نصیر خان نوری کی قائم کردہ شریعت محمدیؐ کی بنیادوں کو ہلا نہ سکی ۔ اسی لئے تمام خوانین کے دور میں باقاعدہ قاضی مقرر تھے جو شریعت محمدیؐ کے نفاذ کے ذمہ دار تھے ۔ اگرچہ انگریزوں کے زیر تسلط آنے کے بعد ریاست قلات میں پولیٹیکل ایجنٹ اور مکران میں اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ بغیر کسی قانونی جواز کے ایف سی آر ۱۹۰۱ء کے تحت عدالتی اختیارات بروئے کار لاتے تھے پھر بھی جرگوں میں دیوانی نوعیت کے معاملات کے سلسلے میں قاضی کی رائے صائب متصور ہوتی تھی ۔ ۱۹۳۳ء میں میر احمد یار خان مرحوم نے تخت نشینی کے بعد میر نصیر خان نوری کی شریعت محمدیؐ کے نفاذ کی تحریک میں نئی روح پھونک دی ۔ کیونکہ اس میں انگریزوں کے تسلط اور سرداروں کی انگریزوں کے اشارے پر بے راہ روی اور خلاف ورزیوں کے باعث کمی واقع ہو گئی تھی ۔ میر احمد یار نے شریعت محمدیؐ کو زیادہ پر اثر بنانے کے لئے قاضیوں کو فیصلہ کرنے کے مکمل اختیارات سونپ دیئے ۔ وزیر معارف کا عہدہ قائم کر کے مذہبی امور کی نگرانی کا کام اس کے سپرد کر دیا اور رسم و رواج کے بندھنوں کو توڑ کر اپنے دائرہ اختیار کے اندر مستورات کو شریعت محمدیؐ کے بموجب وراثت میں ان کے شرعی حقوق دے دیئے جو پیشتر ازیں مکران کے علاوہ کسی دوسرے علاقے میں مروج نہ تھے ۔

شمالی بلوچستان میں اسلام دنیاوی اقتدار کے سہارے نہیں بلکہ اپنی صداقت اور روح پرور تعلیمات کی بدولت فروغ پذیر ہوا ۔ پختونوں کی ایک تاریخی روایت کے مطابق ان کا جد اعلیٰ قیس (کیس) عبدالرشید ہادی اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تھا ۔ اس قبیلے نے اسلام کو اس انداز سے اپنایا کہ پھر اسے کفر و ضلالت کا کوئی بھی حملہ مغلوب نہ کر سکا ۔ چنانچہ اسلام پختون ثقافت کا ایک غیر فانی جزو بن کر رہ گیا ۔ پختونوں نے نہ صرف یہ کہ جہاد کی خاطر ہزاروں سپاہی اور متعدد نامور جرنیل فراہم کئے بلکہ تبلیغ اسلام کے لئے بہت سے علماء اور صوفیا بھی مہیا کئے [۲۳] ۔ ان میں پیر کبار سید شیخ عطاء اللہ المعروف شیخ آتو (المتوفی ۵۵۰ھ / ۱۱۵۵ء) شیخ بیٹ نیکہ یا بیٹ بابا، ملک یار غرشین، شیخ احمد ولد موسیٰ لقب احمد جوانمرد، شیخ اسمعیل سڑبنی، شیخ حسن افغان وصال (۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء) شیخ متی المعروف قلات بابا (۶۲۳ھ / ۱۲۲۶ء ۔ ۶۶۸ھ / ۱۲۶۹ء) اور ان کے پوتے حضرت خواجہ یحییٰ کبیر غرشتی (۷۰۰ھ / ۱۳۰۷ء ۔ ۸۳۴ھ ۔ ۱۴۳۰ء) شیخ حسن المعروف شیخ کٹہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میاں عبدالحکیم نانا صاحب (۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء ۔ ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء) ۔ ان کے مرشد میاں اللہ یار لاہوری تھے ان کے خلفاء میاں نور محمد، ملا عثمان اخوند، میاں محمد حسن لیسین زئی، مرید خاص باباغرواری، ملا رحیم داد، ملاجان محمد کاکڑ، خواجہ میاں روح اللہ اخوندزادہ گانگزئی (۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء ۔ ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء) اور ان کے نامور خلیفہ خواجہ فیض الحق جان چشموی (۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء ۔ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) اور ان کا چشموی بزرگان کا سلسلہ علامہ عبدالعلی اخوندزادہ، آغا سید محمد یعقوب شاہ اور ملا عبدالسلام وغیرہ بہت زیادہ شہرت کے مالک ہیں ۔

علاوہ ازیں انہی عظیم بزرگوں میں ایک اہم شخصیت بلوچستان کے شیخ علامہ محمد فاضل [۲۴] درخانی رئیسانی (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء ۔ ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء) تھے ۔ جنہوں نے میر نصیر خان نوری کے عہد کے ملاملک داد کی روایت کو قائم اور دائم رکھتے ہوئے نہ صرف براہویوں کے دلوں کو ایک بار پھر نور اسلام سے تابندہ کیا بلکہ عالموں، فاضلوں، مفسروں اور مبلغوں کا ایک ایسا نامور گروہ پیدا کردیا جس نے بلوچستان پر عیسائیت کی یلغار کو کسی طرح بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے دیا ۔ اس گروہ میں علامہ محمد عمر دین پوری کا نام نامی سرفہرست تھا ۔

مولانا محمد فاضل درخانی تبلیغ کے لئے تنہا جاتے ۔ کسی کے مہمان نہ ہوتے اور کسی کے گھر کا کھانا نہ کھاتے تھے ۔ اپنے ہمراہ ستو اور گڑ رکھتے اور صبح و شام یہی کھا کر گزارہ کرتے ۔ رات مسجد میں قیام کرتے اور زیادہ وقت رکوع و سجود میں گزارتے یوں پوری بے لوثی سے انہوں نے گمراہ اور دین سے پھرے ہوئے لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی ۔ معاشرتی اصلاح پر بھی انہوں نے بھرپور توجہ کی قدیم وضع کی شلوار کو سادہ شلوار میں تبدیل کرایا ۔ فضول لباس کو ممنوع قرار دلوایا

مولانا محمد فاضل کی تبلیغی اور اصلاحی جدوجہد سے علاقے کے لوگوں کے فکر و نظر اور سیرت و کردار میں جو تبدیلی آئی اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جہاں رات دن ڈاکے پڑتے تھے اور قتل و غارت کرنا بہادری کا کام سمجھا جاتا تھا وہاں ایسا امن ہوا کہ اسکی مثال کم ملتی ہے ۔ وہ کام جو بڑے بڑے جابر حاکم نہ کرسکے فقیر سیرت درویش نے اسلام کی اخلاقی تعلیم سے مزین ہو کر قلیل عرصے میں پورا کر دکھایا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا[۵] کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک ہی صاحبزادی تھی جس کی شادی عالم اور متقی حاجی محمد عظیم رئیسانی سے ہوئی ان کے فرزند ارجمند مولانا عبداللہ درخانی (۱۲۹۸ھ / ۱۸۷۸ء۔ ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء) تھے۔ جو مولانا محمد فاضل کی صحبت و تربیت میں کندن بنے۔ آپ کی وفات پر مولانا عبداللہ ہی جانشین ہوئے اور ادارہ مطبوعات، مسجد اور لنگر وغیرہ کا انتظام سنبھالا۔ آپ نے ڈھاڈر میں دینی مدرسہ بھی قائم کیا۔ گرمیوں میں آپ سریاب (کوئٹہ) تشریف لاتے۔ وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا۔ آپ فتویٰ نویسی بھی کیا کرتے تھے۔ اپنے علمی تجربے کے باعث (۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء۔ ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء) تک سابقہ ریاست قلات کے قاضی القضاۃ رہے۔ حضرت قطب عصر خواجہ محمد عمر چشمری (۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء۔ ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء) کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ ایک خوش گو شاعر بھی تھے اور متعدد کتب کے مصنف بھی۔

مولانا فاضل کے ایک قابل احترام شاگرد مولانا نبوجان (المتوفی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) تھے جو مستونگ کے قریب چوتو کے قمبرانی یا قمبراڑی قبیلے کے فرد تھے۔ آپ ایک جید عالم اور جلیل القدر مصنف تھے۔ بلوچستان کے جن مذہبی رہنماؤں نے عیسائی مبلغین کی کوششوں کو بری طرح ناکام بنایا ان میں آپ کی حیثیت ممتاز ہے۔

ایک طرف انگریز تھے جن کے پاس سرمایے کی فراوانی تھی وہ اپنے پمفلٹوں کی تعداد اشاعت میں روز بروز اضافہ کرتے رہتے تھے۔ دوسری جانب مولانا اپنی کم مایگی کے باعث اپنی تصانیف کی تعداد اشاعت نہ بڑھاسکے۔ خود بھوکے رہے، لیکن اپنا اثاثہ مذہبی کتابوں کی اشاعت پر لگا دیا۔ نتیجتاً لوگ رات کو آگ کے قریب بیٹھ کر مولانا کے مذہبی اشعار ترنم سے پڑھتے اور دوسرے انہیں بڑی لگن کے ساتھ سنتے۔ یوں مولانا کی کتابیں کم چھپیں، لیکن ان سے نسبتاً زیادہ لوگ بہرہ یاب ہوئے

مولانا عبدالمجید چوتوئی مولانا نبوجان کے فرزند ارجمند تھے جنھوں نے مولانا محمد فاضل اور اپنے والد محترم سے بیک وقت علمی، دینی اور باطنی استفادہ کیا۔ آپ کی دو کتابوں (مفرح القلوب، گلشن راغبین) میں مناجات، مولود شریف اور غزلیات کے علاوہ دینی مسائل کو سلیس، عام فہم اور پرخلوص لب و لہجے میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے قبیح رسوم اور مجالس عیش و طرب کے خلاف کھل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر لکھا۔ آپ نے نیم ملا کی کمزوریوں کو بھی بیان کرتے ہوئے کہا: "اے نیم ملا! میں تمہارے چہرے پر بھی جہاد کے آثار نہیں دیکھ رہا ہوں ۔ اگر تم مرد میدان ہو تو سب سے پہلے اپنے نفس کے خلاف جہاد کر کے اسے مار ڈالو" ۔ آپ کی ایک اور کتاب "جوش حبیبؑ" کے اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے گہری عقیدت کے آئینہ دار ہیں۔

مولانا محمد فاضل درخانی کے ایک اور مایہ ناز شاگرد اور چچا زاد بھائی مولانا عبدالحی تھے ۔ انہوں نے تبلیغ و ارشاد کے علاوہ سلسلہ مطبوعات بھی جاری رکھا۔ ان کے عظیم ترین شاگرد مولانا محمد عمر دین پوری (المتوفی ۱۹۳۸ء) تھے ۔ وہ مستونگ شہر کے قبیلہ پندرانی میں پیدا ہوئے اور مدرسہ درخان سے فیض حاصل کیا۔ وہ بیک وقت مصنف، مبلغ، مترجم، مفسر، مولف اور فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عملی سیاسی کارکن (مولانا عبیداللہ سندھی سے رابطہ قائم کر کے افغانستان کی طرف ہجرت کرنے والوں کی تحریک میں شامل ہوئے تھے) بھی تھے۔ نظم و نثر دونوں پر ایک سا عبور رکھتے تھے ۔ انہوں نے اڑتالیس کتابیں براہوئی زبان میں تصنیف و تالیف کیں ۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا براہوئی زبان میں ترجمہ ہے ۔ اس وقت یورپی مشنری بلوچستان میں پوری جانفشانی سے تبلیغ میں لگے ہوئے تھے ۔ انہوں نے ۱۹۰۷ء میں انجیل کا براہوئی ترجمہ شائع کر دیا تھا۔ مولانا محمد عمر دین پوری کا قرآن حکیم کا ترجمہ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء میں چھپ کر براہویوں کے لئے ڈھال کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مولانا حضور بخش جتوئی نے قرآن کریم کا ترجمہ صاف و شستہ بلوچی زبان میں کیا۔

نتیجتاً انگریزوں کی لگاتار اور سر توڑ تبلیغی کوششوں اور دنیاوی فوائد کی جگمگاہٹ کے باوجود ایک بھی براہوئی یا بلوچ یا پٹھان دین اسلام سے منحرف نہ ہوا اور اسلام اپنی صداقت اور روح پرور تعلیمات کے بل بوتے پر فروغ پذیر رہا۔

حضرت سلطان[۲۶] باہوؒ (۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء ۔ ۱۱۰۲ھ / ۱۶۹۰ء) کے خاندان کے بزرگان و خلفا کا بلوچستان میں دور حاضر تک ایک مسلسل سلسلہ چلا آرہا ہے جو لگن اور محنت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو عام کر رہے ہیں ۔ کٹبار شریف[۲۷] والوں کا سلسلہ بھی حضرت سلطان باہوؒ سے ملتا ہے ۔ وہ بھی تین صدیوں سے اسلام کی تبلیغ میں مگن ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلوچستان کے طول و عرض میں دینی مدارس [۲۸] دین مصطفوی کی اشاعت میں شب و روز مصروف ہیں ۔ سارے بلوچستان میں ایسی پاک محفلیں منعقد ہوتی رہی ہیں اور ہوتی ہیں جن میں ہادی برحق آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر مبارک بے پناہ عقیدت اور احترام سے کیا جاتا ہے بقول ناشط صدیقی

ذرہ حب نبیؐ ناشط ہے جس کے قلب میں
جنت الفردوس میں وہ شخص داخل ہو گیا ۔

بلوچستان میں اسلام کی ضیا پاشیوں کے باعث مردان کو ہستانی اور بندگان صحرائی "لذت آشنائی" سے اتنے آگاہ ہوئے کہ وہ دو عالم سے بیگانہ ہو کر صرف اللہ اور اسکے رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین کے ہو کر رہ گئے بقول اقبالؒ ۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

حوالہ جات

۱ ۔ "بلوچستان"، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ،لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۸۶۸؛ انور رومان، مکران ماقبل تاریخ، نوکیں دور (مکران نمبر)، کوئٹہ ، ۱۹۶۷ء، ص ص ۳۷ ۔ ۳۸؛ "بلوچستان"، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، بار اول، ص ۱۰۰۵ "بلوچستان"، انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینیکا، ص ۶۷۷ ۔

۲ ۔ سنسکرت کتابوں میں مکران کا نام "موکارا" "یامکارینا" آیا ہے ۔ عرب اسے "ماکران" اور ایرانی "ماہی خوران" تحریر کرتے رہے ہیں ۔ حمزہ اصفہانی کی تحریر کے مطابق مکران پر یہ نام موکران بن فرخ بن سام بن نوح کی وجہ سے پڑا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ "ماکا" قوم کی سرزمین رہی ہے ۔ اس لئے مکران مشہور ہوا ۔ مارکوپولو نے اپنے سفر نامہ (۱۲۹۲ء) میں مکران کا ذکر کیا ہے ۔ دیکھئے: سفرنامہ مارکوپولو، ص ۲۳۵؛ "مکران"، بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیئر، جلد ہفتم، بمبئی ۱۹۰۷ء، ص ص ۳ ۔ ۴؛ محمد سردار خان بلوچ، دی گریٹ بلوچ، کوئٹہ، ۱۹۶۷ء، ص ۵۵؛ نور احمد فریدی، بلوچ قوم اور اسکی تاریخ، ملتان، ۱۹۶۸ء، ص ۱۴۹؛ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، چودھویں جلد، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۳۴۵؛ الگزنڈر مسیح، دی فرنٹیئر پیپلز آف انڈیا لندن، ۱۹۳۱ء، ص ۱۶۴؛ صالح محمد لہڑی، بلوچستان، کوئٹہ، ۱۹۵۵ء، ص ۱؛ عبدالرحمن براہوئی، براہوئی زبان و ادب کی تاریخ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ص ۱۱ ۔ ۱۳، ۳۱ ۔ ۳۲ ۔

۳ ۔ انور رومان، مکران: پاکستان کے سیاق وسباق میں، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۹

۴ ۔ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کا ڈائریکٹر جنرل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵ ۔ سپر نٹنڈنٹ ویسٹرن آرکیالوجیکل سرکل ۔ ۱۹۲۰ء ۔ ۱۹۲۲ء کے دوران موئنجو دڑو کی دریافت کی ۔

۶ ۔ اسی دوران ہڑپہ کی دریافت کی ۔

۷ ۔ محمد سعید دھوار ، تاریخ بلوچستان ، کوئٹہ ، ۱۹۹۰ء ، ضمیمہ نمبرا ، ص ص ۴۳ ۔ ۶۷ ۔

۸ ۔ انور رومان ، مکران ماقبل تاریخ ، نوکیں دور (مکران نمبر) ، کوئٹہ ، ۱۹۶۷ء ، ص ص ۳۷ ۔ ۴۰ ؛ سید محمود شاہ بخاری ، بلوچستان زمانہ قدیم سے قیام پاکستان تک ، کوئٹہ ، ۱۹۸۷ء ، ص ص ۲۱ ۔ ۲۹ ۔

۹ ۔ کامل القادری ، مہمات بلوچستان ، حصہ اول ، لاہور ، ۱۹۸۰ء ، ص ص ۱۷ ۔ ۱۱۰ ۔

۱۰ ۔ محمد خان مری ، تاریخ مکران ، نوکیں دور (مکران نمبر) کوئٹہ ، ۱۹۶۷ء ، ص ص ۴۲ ۔ ۴۵ ۔

۱۱ ۔ علامہ داؤد پوتہ (مرتب) چچ نامہ (فارسی) ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۱۹ء ، ص ص ۴۸ ۔ ۴۹ ۔

۱۲ ۔ انور رومان ، مکران : پاکستان کے سیاق و سباق میں ، ص ص ۲۴ ۔ ۲۶ ۔

۱۳ ۔ ایضاً ، ص ۲۷ ۔

۱۴ ۔ محمد سردار خان بلوچ ، ہسٹری آف بلوچ ریس اینڈ بلوچستان ، کراچی ، ۱۹۵۸ء ، ص ۲۳۰ ۔

۱۵ ۔ انور رومان (مترجم) بلوچستان تھرو دی ایجز ، جلد دوم ، کوئٹہ ، ۱۹۷۹ء ص ۵۲۹ ۔

۱۶ ۔ ایضاً ، آغاز سخن ؛ انعام الحق کوثر ، نبی کریم کا ذکر مبارک بلوچستان میں ، لاہور ، ۱۹۸۳ء ص ص ۶ ۔ ۷ ۔

۱۷ ۔ بلوچستان کے قبائل (ضلعی گزیٹیئر سے انتخاب) حصہ اول ، کوئٹہ ، ۸۷ ۔ ۱۹۸۶ء ، ص ۹ ۔

۱۸ ۔ بلوچستان کے شہر خضدار کو عربوں نے قصدار اور قزدار لکھا ہے ۔ اس میں ایک صحابی بنام صیفان بن سلمہ الخدالی کا مزار ہے جو امیر معاویہ کے زمانہ میں مید قوم سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے ۔ معجم البلدان (ج ۴ ، ص ۸۶) میں قزدار آیا ہے ۔

۱۹ ۔ محمد اسلم ، سرمایہ عمر ، لاہور ، ۱۹۷۶ء ، ص ص ۱۶۹ ، ۱۷۰ ۔

۲۰ ۔ انعام الحق کوثر ، بلوچستان میں فارسی شاعری ، کوئٹہ ، ۱۹۶۸ء ، ص ص ۲۱ ۔ ۳۳ ۔

۲۱ ۔ مولانا نور احمد فریدی ، بلوچ قوم اور اس کی تاریخ ، ملتان ۱۹۶۸ء ، ص ص ۱۷۳ ۔ ۱۷۷ ۔

۲۲ ۔ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ، سیریز جلد ششم ب ، ص ص ۳۹ ۔ ۴۱ ۔

۲۳ ۔ انعام الحق کوثر ، تذکرہ صوفیائے بلوچستان ، لاہور ، ۱۹۸۶ء ، ص ص ۲۲ ۔ ۲۷ ، ۲۳۲ ۔ ۲۴۰ ۔

۲۴ ۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ، چودھویں جلد ، لاہور ، ۱۹۷۱ء ، ص ۹۴۲ ۔

۲۵ ۔ انعام الحق کوثر ، تذکرہ صوفیائے بلوچستان ، ص ص ۲۴۱ ۔ ۲۴۴ ؛ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ، ص ص ۴۴۶ ۔ ۴۵۰ ۔

۲۶ ۔ ایضاً ، ص ۱۱۵ ۔ ۱۲۸ ۔

۲۷ ۔ ایضاً ، ص ص ۲۴۶ ۔ ۲۷۴ ۔

۲۸ ۔ انعام الحق کوثر ، نبی کریم کا ذکر مبارک بلوچستان میں ، ص ص ۴۱۱ ۔ ۴۱۹ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سہ ماہی ادبیات اسلام آباد

اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کا موقر سہ ماہی مجلہ **ادبیات** جو خوبصورت کتابت و طباعت کے ساتھ نہایت کم قیمت میں پاکستانی ادب پر بیحد معیاری تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی نگارشات پیش کرتا ہے۔

بدلِ اشتراک

اندرونِ ملک:

فی شمارہ: ۲۰ روپے

سالانہ: ۷۵ روپے

(بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)

بیرونِ ملک:

امریکہ، کینیڈا، یورپ، مشرقِ بعید	مشرقِ وسطیٰ، بھارت، شمالی افریقہ
فی شمارہ: ۷ ڈالر (بذریعہ ہوائی ڈاک)	فی شمارہ: ۶ ڈالر (بذریعہ ہوائی ڈاک)
سالانہ چندہ: ۲۵ ڈالر (" ")	سالانہ چندہ: ۲۲ ڈالر (" ")

اکادمی ادبیات پاکستان، سیکٹر ایچ۔ ایٹ/ون اسلام آباد۔ فون ۲۵۴۵۶۸

© rasailojaraid.com